ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

لاہور

اپنا شہر کسے پسند نہیں ہوتا :

خاکِ وطن از ملکِ سلیماں خوشتر   خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

پھر اگر شہر خوش قسمتی سے لاہور جیسا شہر ہو۔ پنجاب زندہ دلی کے لیے مشہور ہے اور لاہور اس زندہ دلی کا مرکز اور اس کا سرچشمہ ہے :

چہ پنجاب انتخابِ ہفت کشور   قسم خوردہ بہ آبش آبِ کوثر

لاہور مغربی پاکستان کا دل ہے، اور یہ دل فقط سنگ وخشت کا نام نہیں ہے۔ بعض شہر قدیم ہوتے ہیں، جہاں جدت اثر نہیں کرتی۔ بعض شہر کم عمر اور جدید ہیں، جن میں بزرگی اور قدامت کا وقار دکھائی نہیں دیتا۔ لاہور اس بارے میں جامع اضداد ہے۔ قدیم یادگاروں یا آثارِ صنادید سے روح پروری کرنا چاہو تو لاہور تمہاری یہ خواہش جی بھر کر پوری کر دے گا۔ جدت پسند ہو تو افکار اور اندازِ بود و باش میں ایسے گھر اور ایسے لوگ مل جائیں گے جو صرف حال ہی نہیں بلکہ مستقبل کا رنگ ڈھنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ بارہ دروازوں کے اندر کا لاہور صدیوں پیشتر کی طرزِ زندگی کو محفوظ رکھنے میں کوشاں ہے۔ جدید فنِ تعمیر اور اندازِ زندگی کے نمونے دیکھنے کا شوق ہو تو کلب روڈ سے لے کر گلبرگ تک کے بنگلوں کا نظارہ کر لیجیے۔ یہاں سے وہاں تک جنت نگاہ ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اب آبادی کی کثرت اور مہاجرین کی آمد سے لاہور میں وہ بھیڑ ہو گئی ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور سروں پہ تھالی پھر سکتی ہے لیکن یہ کیفیت آج پیدا نہیں ہوئی۔ بازاروں کی بھیڑ لاہور کا قدیم شیوہ ہے۔ ہالینڈ کا ایک سیاح کوئی پانسو برس قبل جہاں گردی کرتے ہوئے لاہور آیا۔ اس کے سفرنامے کے اقتباسات کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ : لاہور میں آبادی کی بڑی کثرت ہے۔ بازاروں میں ہر وقت ہجوم دکھائی دیتا ہے

اسی وجہ سے لوگوں کی بہت سی تعداد شہر کے باہر رہتی ہے۔ کھانے پینے کی دکانیں بڑی کثرت سے راہ چلنے والوں کو من و سلویٰ کی دعوت دیتی ہیں۔ طرح طرح کے کھانے دکانوں میں تیار ملتے ہیں۔ بھونے ہوئے پرندوں کے گوشت اور مرغ اور پلاؤ اور حلوے پیٹ بھر کر کھاؤ تو بل چار پانچ آنوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ اُس وقت کے چار پانچ آنے اب چار پانچ بلکہ آٹھ دس روپے بن گئے ہیں۔ لیکن جو نقشہ لاہور کا اس سیاح نے کھینچا ہے وہ اب بھی جوں کا توں موجود ہے۔

باہر کھلے بنگلوں میں رہنے والے تنگ بازاروں اور گلیوں کو نظرِ حقارت سے نہ دیکھیں مشرقی شہروں کی اصلی زندگی گلیوں ہی میں ہوتی ہے۔ کھلے کھلے بنگلوں میں رہنے والوں کا کوئی ہمسایہ نہیں ہوتا۔ بنگلہ باش لوگ ہمسایہ کے معنی ہی نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی جنت "کسے رابا کسے کارے نباشد" والی جنت ہے۔ لیکن ایسی جنت آدم بیزار لوگوں کو ہی پسند آ سکتی ہے۔ حساس شاعر جب اپنے شہروں سے قلبی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں تو گلیوں ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ اُجڑی دلی میں مفلس بادشاہ کا استاد شاعر ذوقؔ دکن کی دولت سے نہیں للچاتا اور کم تنخواہ پر دلی ہی میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے تو دلی کی گلیوں کی کشش کی وجہ سے، نہ کہ لال قلعے کی بدولت :

گو دکن میں ہے بہت کچھ آج کل قدرِ سخن
کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر ؟

کوئے یار بھی کوئی گلی ہی ہوتی ہے جو اس قدر جاذبِ سجود ہوتی ہے کہ شاعر پکار اٹھتا ہے کہ :

خاکِ کویش خود پسند افتادہ در جذبِ سجود
سجدۂ بہر حرم نگذاشت در سیمائے من

باہر رہنے والے گلیوں کی ناصافی پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ انہی گلیوں میں گھروں کے اندر زندگی کی لطافتیں بھی ہیں اور بقول غالبؔ زندگی کا ایک اٹل قانون یہ ہے کہ لطافت بے کثافت جلوہ پیدا نہیں کر سکتی۔

جوشؔ ملیح آبادی لکھنؤ کی گلیوں کے متعلق ایک بڑا پر کیف شعر لکھ گیا ہے :

لکھنؤ کی آج تک وہ رنگ رلیاں دل میں ہیں
پہلے جو زیرِ قدم تھیں اب وہ گلیاں دل میں ہیں

لاہور والے کے لیے لاہور کی گلیاں دلّی اور لکھنؤ کی گلیوں سے کچھ کم جذبہ آفریں نہیں۔ لاہور کی ایک بڑی خصوصیت اس کی زندگی کی گوناگونی اور بوقلمونی ہے۔اس شہر میں ہر مذاق کا انسان ملتا ہے اور ہر قسم کے مذاق والے شخص کو اپنے ہم مذاق لوگ مل جاتے ہیں۔کسی کا کچھ بھی ذوق ہو اس کو لاہور سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوسکتی۔حافظ کو شیراز میں اپنے ہم مذاق لوگ نہ ملے تو دوسرے ملکوں اور شہروں کی طرف ہجرت کرنے کی فکر کرنے لگے:

سخن دانی وخوش خوانی نمے ورزند در شیراز بیا تا خولیش را حافظ بہ ملکِ دیگر اندازیم

لیکن کسی لاہور والے کو کسی شوق کی تکمیل کے لیے لاہور سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔تعلیم کا شوق ہو تو گلی گلی میں مدرسہ موجود ہے۔عبادت کا ذوق ہو تو ایک ایک گلی میں بعض اوقات آمنے سامنے دو دو مسجدیں دعوتِ عبادت دے رہی ہیں۔شاعری کا شوق ہو تو سمجھ کر، یا بے سمجھے داد دینے والے کثرت سے موجود ہیں۔مہینے میں دو دو مشاعرے ہوتے ہیں جن میں حصہ لینے کے لیے فطرت کا ساختہ شاعر ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ذرا سُر تال سے شعر پڑھ سکتا ہو تو مصرعوں کے سکتے، بندش کی سستی اور مضمون کی نادرستی ادنیٰ درجے کی موسیقی میں بھی آسانی سے چھپ جاتی ہے۔مردانہ مشاعروں میں جرأتِ رندانہ رکھنے والی شاعر یا متشاعر عورتیں بھی لاہور ہی میں اسٹیج پر آنے کی ہمت کرسکتی ہیں اور شوِاری کی بدولت ان کو داد بھی مل جاتی ہے۔ خالص عورتوں کے مشاعرے بھی لاہور ہی کی ایجاد اور اس کی زندہ دلی کا ثبوت ہیں۔

مذہبی مناظرے کے شوقین علما اور جہلا کو بھی لاہور میں کثرت سے مواقع میسر آتے ہیں۔ پہلوانی کا شوق ہو تو گلی گلی میں ڈھول دھپے سے پھولے کانوں والے جھومتے جھامتے دکھائی دیتے ہیں اور شہر کے چاروں طرف اکھاڑے کثرت سے موجود ہیں جہاں سے رستمِ ہند و پاکستان بھی پیدا ہوتے ہیں اور رستمِ زمان بھی۔جیسے کہ لاہور کی گلیوں میں سے منسٹر، گورنر، بلکہ گورنر جنرل بھی ابھرتے ہیں۔سیاسی شاطروں کی بساط بھی لاہور ہی میں بچھتی ہے اور ایک دوسرے کو

پچھاڑنے کے داؤ پیچ سکھانے والے بھی لاہور ہی میں ملتے ہیں۔ اقبال کو یہ بے جا شکایت تھی کہ ڈھب مگر قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی اور پنجاب میں ملتا نہیں استاد کوئی۔ اگر وہ سچ مچ اس فن میں مہارت پیدا کرنا چاہتے تو ذرا سی تلاش سے ان کو اچھے اچھے استاد مل جاتے۔ اس معاملے میں ان کی طلبِ صادق نہیں تھی اور ان کی پیاس میں شدت نہ تھی۔ خود ہی عرفی کا یہ شعر اکثر پڑھتے تھے:

زنقصِ تشنہ لبی داں بعقلِ خویش مناز ۔۔۔ دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

جہاں زندگی کی گہما گہمی اور جوش و خروش ہو وہاں رحمانی اور شیطانی مظاہر دونوں کی نمود غیر معمولی ہوتی ہے:

مزی اندر جہانِ کور ذوقے ۔۔۔ کہ یزداں دارد و شیطاں نہ دارد

اقبال کو لاہور اسی لیے پسند تھا کہ یہاں یزداں کے ساتھ شیطان بھی ہر وقت دست و گریباں رہتا ہے۔ ہر اچھی بری تحریک یا لاہور سے ابھرتی ہے یا لاہور میں پھیلتی پھولتی اور پھیلتی ہے:

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے ۔۔۔ یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

نبوت کا دعویٰ کرو تو یہاں امت میسر آجاتی ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرو تو یہاں معتقد بندے مل جاتے ہیں۔ یہاں مصری شاہ کے علاقے میں ایک خدا کا ظہور ہوا تو تمام دن رات اس کے ہاں بندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، اور بڑا وسیع لنگر لاہور والوں کی ہمت سے جاری رہتا تھا۔ جو شخص انسانی طبائع کے تنوع سے لُطف اٹھانا چاہے اور حکمت و حماقت دونوں کی کارفرمائی کا مطالعہ کرنا چاہے اس کو لاہور سے بہتر کون سی جگہ مل سکتی ہے؟

لاہور کی آب و ہوا کا بھی یہی حال ہے۔ گرم و سرد زمانہ دونوں کو چکھنے کا مزہ لاہور ہی میں ہے یہاں کچھ مہینے ایسے آتے ہیں جب جنت کا موسم ہوتا ہے اور کچھ ایسے جو جہنم کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور کوئی دو تین مہینے اعراف کے بھی ہوتے ہیں۔ محی الدین ابن العربی نے ایک نہایت حکیمانہ اور عارفانہ بات لکھی ہے کہ جنت کے پھل جہنم کی گرمی سے پکتے ہیں۔ اس کا ثبوت درکار ہو تو لاہور میں مل سکتا ہے۔ جس زمانے میں اقبال انارکلی میں رہتے تھے، جولائی کے مہینے میں

وہ گرمی پڑ رہی تھی کہ مچھلی زیرِ آب کباب ہو جائے۔ مَیں شام کو ان کے ہاں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ آج میں نے خدا سے درخواست کی ہے کہ اس گرمی کی شدت کو کم کر دے تاکہ اس کو برداشت کر لینے والوں کے دلوں سے جہنم کا خوف نہ جاتا رہے۔ دسمبر یا جنوری میں بارشوں کے بعد زمہریر کا مزا ابھی لاہور میں چکھ لیجیے کہ دماغ کے اندر خیال تک منجمد ہو جائے اور صبح کے وقت سورج ٹھٹھرتا ہوا اور کانپتا ہوا نکلے اور اس کی دھوپ پر چاندنی کا گمان گزرے۔ غرضیکہ خوب شہر ہے اور خوب آب و ہوا ہے۔ گرمی اور سردی دونوں جان بخش ہیں۔ سردی میں خواب و خور سے جان پڑتی ہے اور گرمی میں جسم کا زہر گھڑوں پسینے کے ساتھ نکل نکل کر تزکیۂ بدن کر دیتا ہے۔

بعض لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد کراچی نے طالبانِ مال اور صاحبانِ کمال کو اپنی طرف کھینچ کر لاہور کو مفلس کر دینے پر کمر باندھی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لاہور ایک سمندر ہے۔ جتنی مچھلیاں جال ڈال کر سمندر سے نکالی جاتی ہیں اس سے کہیں زیادہ سمندر میں موجود رہتی ہیں۔ پہلے لوگ مرتے ہیں تو دوسرے ان کی جگہ لینے کے لیے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ اگر چاہتے بھی یہاں سے باہر چلے جائیں تو کیا اس مردم خیز خطہ میں دوسرے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے نہ اُبھر آئیں گے۔ لاہور کے متعلق یہ سوءِ ظن نہیں ہونا چاہیے۔ ایک فصل کا میوہ اگر دوسری منڈیوں میں بھیج دیا گیا تو کیا ہرج ہے۔ دوسری فصل سے پھر تازہ میوہ پیدا ہو جائے گا۔

اگر فقط لاہور والا ہی لاہور کی تعریف کرے تو یہ خودستائی اور اپنے منہ میاں مٹھو والی بات ہوگی۔ باہر والا بھی جو کوئی آیا ہے اس نے یہاں قدم رکھتے ہی یہاں ایک خاص زندگی محسوس کی ہے۔ مَیں جب دلی میں پڑھتا تھا تو میرے بنگالی پروفیسر فلسفہ یونیورسٹیوں کی کمیٹیوں میں وقتاً فوقتاً لاہور جاتے تھے۔ ایک روز مجھ سے فرمانے لگے کہ لاہور کے اسٹیشن پر اُترتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ ایک نئی زندگی کے شہر میں آگیا ہوں اس کی انسانی اور طبیعی فضا لبریزِ حیات محسوس ہوتی ہے۔

استنبول اور انقرہ کے ایک مقتدر کمالی ترک اس انداز کے جنھیں اب بعض مسلمان بہت مغرب زدہ سمجھتے ہیں اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی میں کوئی تین ماہ لاہور میں رہے بوقتِ رخصت

سردار عبدالرب نشتر صاحب کو خدا حافظ کہنے کے لیے گورنمنٹ ہاؤس میں ان سے ملے۔ سردار صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ یہ ترک آبدیدہ اور اشک ریز ہوگئے۔ میں نے اس رقت کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے کہ اس کمیٹی کی رکنیت میں اور ممالک اور اقوام میں بھی مجھ کو کچھ دن بسر کرنے پڑے لیکن اس شہر میں میں نے یہ محسوس کیا کہ میں اپنے وطن اور اپنی قوم کے اندر رہتا ہوں ہر گھر میں زن و مرد نے مجھے اپنے گھر کا فرد سمجھا اور اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں اپنے گھر والوں سے جُدا ہو رہا ہوں۔ ایک ایرانی خاتون جو ڈاکٹر ہیں، ایک وفد کے ساتھ لاہور تشریف لائیں۔ انھوں نے واپس جا کر طہران میں مجلسِ خواتین میں ایک لیکچر دیا، جہاں راجہ غضنفر علی صاحب کی معیت میں میں بھی موجود تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ لاہور والوں کے خلوص اور محبت کی کوئی انتہا نہیں۔ فرماتی تھیں کہ بعض دکانوں سے میں نے کچھ چیزیں خریدنا چاہیں تو دکانداروں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا کہ آپ ہماری مہمان ہیں۔ آپ یہ چیزیں ہماری طرف سے تحفتہً لے جائیے۔ حال ہی میں ایک امریکن نے یہاں وارد ہونے کے چند روز بعد ہی مجھ سے کہا کہ لاہور کی فضا تمام پاکستان میں سب سے زیادہ علمی اور تہذیبی فضا محسوس ہوتی ہے۔

یہ تو غیروں کے احساسات ہیں لیکن انسانی فطرت میں ایک عجیب اوندھا پن بھی ہے۔ خود لاہور والے یہاں رہتے ہوئے لاہور کو صلواتیں سناتے رہتے ہیں لیکن تقدیر اگر ان کو سال دو سال یا مزید عرصہ کے لیے باہر پھینک دے تو وہاں غریب الوطنی میں لاہور کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں زندگی کی مجبوریاں بعض لاہور والوں کو کراچی میں رہنے پر مجبور کرتی ہیں وہاں ان کی جان نصف رہ جاتی ہے۔ دن بھر جائے پی پی کر اور دوائیں اور وائٹامن کی گولیاں کھا کھا کر زندگی کو سہارا دیتے رہتے ہیں۔ ایک نوجوان مجھے حال ہی میں ملے، اچھے قد و قامت اور اچھی شکل و صورت کے۔ کہنے لگے کہ کراچی میں صحت بگڑ گئی اور کئی مہینوں تک بڑے بڑے حاذق ڈاکٹروں سے علاج کراتا رہا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ لاہور میں آئے چار روز ہوئے ہیں تمام بیماریاں غائب ہوگئی ہیں۔ اس نے اپنے ڈاکٹر کو خط لکھا کہ جو کچھ سال بھر تک تمام علمِ طب اور تمہارا معالجہ نہ کر سکا وہ لاہور نے بے دوا چار روز میں کر دکھایا۔ اگر کوئی شخص غلط اندیشی اور غلط روی سے اپنی صحت کو بگاڑنے پر تُلا ہوا نہ ہو تو لاہور کی فضا اعجازِ مسیحائی کر سکتی ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادپیمائی

پاکستان میں خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو خدا لاہور میں رکھے - اور شہروں میں اس کو شالامار کہاں ملے گا، جہانگیر کا مقبرہ کہاں ملے گا - لاہور کا قلعہ کہاں ملے گا- اس کی عظیم الشان شاہی مسجد کہاں ملے گی جہاں ایک لاکھ کے قریب انسان بیک وقت سربسجود ہو سکیں - اس کو راوی کا کنارہ کہاں ملے گا- خواہ یہ راوی بعض اوقات ضعیف ہی ہو- اس راوی کی دریا دلی دیکھیے کہ جتنا جھوٹ لاہور میں بولا جاتا ہے اس سب کا عذاب وہ اپنی گردن پہ لے لیتا ہے - اسی لیے دروغ بر گردنِ راوی ایک مشہور مقولہ بن گیا ہے -

اچھائی ہو یا برائی - اچھی چیز ہو یا بری چیز لاہور میں سب کچھ دستیاب ہے - انتخاب آپ کا اختیار ہے- کشمیر میں میں نے دیکھا کہ لاہور کے متعلق کشمیر میں ایک مقولہ ہے کہ لاہور وہ جگہ ہے جہاں چڑیا کا دودھ بھی مل سکتا ہے - جس چیز کی تلاش ہو وہ تھوڑی بہت کوشش سے یہاں میسر آجائے گی -- خدا اس زندہ دلی کے مرکز کو ابد تک قائم رکھے، اس کی رونق میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو - پاکستان زندہ باد - لاہور پائندہ باد -

---

مقالات

از مولانا محمد جعفر پھلواروی

یہ کتاب مولانا محمد جعفر پھلواروی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ماہ نامہ ثقافت اور دیگر مجلات میں شائع ہوتے رہے ہیں - ان مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں پرانی باتیں نہیں دہرائی گئی ہیں، بلکہ نئے افکار، نئی تحقیقات اور نئے استدلال ہیں اور اجتہاد و فکر کا رنگ نمایاں ہے -

اس مجموعہ میں تاریخی، دینی، فقہی، عقلی، ثقافتی ہر طرح کے مضامین شامل ہیں -

قیمت : ۱۰٫۵۰ روپے

پتہ : سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور